Vol.4 No.2 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں معاشی تصورات

ECONOMIC CONCEPTS IN QURRAT –UL –AIN HAIDER'S NOVELS

صائمہ اقبال، لیکچرار، شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

Saima Iqbal, lecturer Department of Urdu, GCUF

ڈاکٹر پروین کلو، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

Dr.Parveen Kallu, Associate Professor Department of Urdu, GCUF

Abstract :

Qurratulain Haider (20 January 1927 – 21 August 2007) was an Indian Urdu novelist and short story writer, an academic, and a journalist. Her literary works include some 12 novels and novellas and four collections of short stories. She presents in her novels economic concepts regarding the economic changes that have taken place in subcontinent after the First World War.She reflects the eroded civilization of Oudh, and economic perceptions of class struggle.This article presented the economical condition in her novels "Mery bhi Sanam Khanay" and "Aag ka Dariya".

Key words: Qurra-tu-Ain Haider, Economic, Novels, Mery bhi Sanam Khanay, Aag ka Dariya.

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان برصغیر کی تاریخ کا اہم واقعہ ہے۔ اس واقعہ نے ہندوستان میں رہنے والے ہر فرد کی زندگی کو متاثر کیا۔ اگرچہ یہ ایک سیاسی واقعہ ہے لیکن اس نے عوام کی سیاسی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی سماجی، مذہبی اور معاشی زندگی کو بھی متاثر کیا۔ تقسیم ہند سے پہلے اور تقسیم ہند کے بعد کئی سطحوں پر بہت سی تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ ادباء نے ان تبدیلیوں کو موضوع سخن بنایا۔ قیام پاکستان کے حالات، معاشی بحران، ہجرت کا دکھ، سماجی سطح پر اتار چڑھاؤ، مہاجرین کی آبادکاری اور ملکی معیشت پر اس کا اثر اور نئے معاشی منظر کے حوالے سے کوئی نہ کوئی تحریر سامنے آتی رہی۔

عوام الناس اس نئے ماحول کا مقابلہ کس طرح کر رہے تھے۔ ان کے قلب و ذہن پر ہونے والے واقعات نے کیا تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ ایک طرف طبقہ اشرافیہ اور جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ کا منظر نامہ اور دوسری طرف نچلے طبقے کی سماجی اور معاشی حیثیت کیا ہو گی۔ نئی مملکت میں نیا سماجی و حکومتی نظام، متوسط اور نچلے طبقے کا استحصال اور معاشی بحران یہ تمام مسائل قیام پاکستان کے بعد اردو کے ناولوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس آرٹیکل میں ہم قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں معاشی تصورات کا جائزہ لیں گے:

> "معاشیات دو یونانی الفاظ کے مرکب معاشیات Oiko (گھر) اور Nomos (بندوبست) سے مل کر بنا ہے۔ جس کو عام فہم انداز میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی گھر کو کم وسائل کے باوجود کفایت شعاری سے چلانا تاکہ گھر کی زیادہ سے زیادہ ضروریات پوری ہو سکیں۔ عربی زبان میں معاش کا مادہ 'عاش' ہے۔ جس کے معنی ہیں زندہ رہنا، بعض کے نزدیک اس کا مادہ 'عیش' ہے۔ جس کے معنی روزی، خوراک، رزق، بسر اوقات اور گزران کے ہیں۔"(۱)

عیش سے لفظ معیشت ہے جس کے معنی سامان زینت اور کھانے پینے کی وہ تمام اشیاء ہیں جن پر زندگی بسر کی جائے۔ گویا معاش کے معنی ذریعہ زندگی کے ہیں اور عام طور پر اہل لغت کے ہاں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

'المنجد في اللغت' میں معیشت کے معنی یوں بیان ہوئے ہیں:

''المعاش و المعشت ما تعیش بہ من المطعم و المشرب۔ ما تکون بہ الحیاۃ (۲)

چنانچہ معیشت سے مراد وہ اشیاء ہیں جو انسانی زندگی کا لازمی جز ہیں جن پر انسانی زندگی کی بقاء کا انحصار ہے اس میں وہ تمام چیزیں آ جاتی ہیں جن سے انسان زندگی بسر کرتا ہے اس کے علاوہ اس کو وسیلہ زندگی بھی کہہ سکتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قرۃ العین حیدر ۲۰/ جنوری /۱۹۲۷ء کو علی گڑھ (اتر پردیش) میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد کا نام سجاد حیدر یلدرم تھا۔ ان کی والدہ زہرہ بیگم بھی اردو ادب سے گہرا لگاؤ رکھتی تھیں۔ آپ نے کلاسیکی رقص اور مصوری بھی سیکھی۔ آپ کو مطالعہ کا بھی بے حد شوق تھا۔ آپ بہت اچھی ناول نگار، افسانہ نگار، ڈراما نگار، سفر نامہ نگار اور مترجم بھی ہیں۔ آپ کے اہم ناول 'میرے بھی صنم خانے' 'سفینہ غم دل'، 'آگ کا دریا'، 'آخر شب کے ہم سفر'، کار جہاں دراز ہے'، 'گردش رنگِ چمن' اور 'چاندنی بیگم' قابل ذکر ہیں۔ آپ نے ۲۱ / اگست ۲۰۰۷ء میں نوئیڈہ (بھارت) میں وفات پائی۔

میرے بھی صنم خانے

قرۃ العین حیدر کا ناول 'میرے بھی صنم خانے' ۱۹۴۷ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ ناول اودھ کی مٹتی ہوئی تہذیب، فرقہ پرستی اور طبقاتی کشمکش کے حوالے سے معاشی تصورات کا عکاس ہے۔ اس ناول میں اودھ اور لکھنؤ کے ایک خاندان کی کہانی ہے۔ اس ناول میں بہت سے کردار ہیں جو معاشی لحاظ سے مختلف طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ کنور عرفان علی خان، ان کی بیوی کنور رانی، ان کے بیٹے پی چو اور پولو اور ان کی بیٹی رخشندہ ان کے علاوہ نواب شمیم، کرسٹابل، حفیظ احمد اور کرن بورژوا طبقہ کے نمائندہ ہیں۔ ان کے ساتھ کچھ کردار پرولتاری طبقہ سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں شہلار حمٰن، قمر آراء، سلیم اور خورشید پرولتاری طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ نچلے طبقے سے ہی تعلق رکھنے والی لڑکی کوئین روز بھی ہے جو رقص کے پیشے سے وابستہ ہے۔

قرۃ العین حیدر نے اس ناول میں زوال پذیر اودھ اور اس کی ڈوبتی ہوئی معیشت کو موضوع بنایا ہے۔ اودھ اپنی خوبصورتی اور زرخیزی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کے لوگ معاشی لحاظ سے خوشحال تھے۔ یہ لوگ نواب کہلاتے تھے اور اس کے لڑکے اپنی آرائش وزیبائش کی وجہ سے 'بانکے' کہلاتے تھے۔ یہ لوگ معاشی لحاظ سے خود مختار تھے اور طوائف کے کوٹھے پر جانا اور پیسے کا بے دریغ استعمال کرنا ان کی عادت بن گیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس ریاست میں معاشی زوال آنا شروع ہو گیا۔ اس کی وجہ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد تھی۔ انگریزوں نے سب سے پہلے دہلی کی معیشت پر اپنا تسلط قائم کیا اس کے بعد آہستہ آہستہ پورے ہندوستان پر چھا گئے۔ جس کی وجہ سے اودھ کے نواب معاشی استحصال کا شکار ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم لکھتے ہیں:

> "قرۃ العین حیدر نے اس ناول میں زوال پذیر اودھ کی داستان سنائی ہے۔ جب انگریزوں کی سیاست و حکومت نے ان کے جاگیر دارانہ اور زمین دارانہ نظام کو متاثر کیا اور ان کے اپنے تہذیبی سرمایہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔ وہ طبقہ مفلوک الحال تھا۔ اس کے مسائل تو تھے ہی، یہاں اس طبقے کا المیہ پیش کیا گیا ہے۔ جو معتمد اور بڑا سمجھا جاتا تھا۔۔۔ وہ طبقہ جو جاگیر دار نہ نظام کا امین تھا، جن کے محلوں اور درباروں سے تمام سماجی، تہذیبی، ثقافتی اور اخلاقی اقدار کی شروعات ہوتی ہے۔" (۳)

قرۃ العین حیدر نے پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان میں معاشی لحاظ سے ہونے والی تبدیلیوں کے حوالے سے معاشی تصورات کو بھی پیش کیا ہے۔ متوسط طبقہ دوبارہ ابھرنے لگا تھا اور یہ جاگیر دار طبقہ سے براہ راست ٹکرانے لگا تھا۔ یہ طبقاتی کشمکش پورے ہندوستان میں نظر آنے لگی تھی۔ اسی کشمکش کو مصنفہ نے اس ناول میں پیش کیا ہے۔ یہ ناول پرانے جاگیر دار طبقہ کے گرد گھومتا ہے۔ جو معاشی حوالے سے خوشحال ہے۔ اس ناول میں امیر طبقہ کا بیان ہے اور معاشی لحاظ سے متوسط طبقے کی بات بہت کم کی گئی ہے۔ اس حوالے سے احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> "میرے بھی صنم خانے' پڑھتے وقت جگہ جگہ یہ خیال چبھن سی پیدا کرتا ہے کہ اس بورژوا طبقے سے اُدھر بھی تو ایک دنیا ہے اور اس نے ہمارے فن کاروں کی طرف کتنی بے تابی سے ہاتھ پھیلا رکھے ہیں۔ اور یہ دنیا کتنی گنجان آباد اور کتنی دکھی اور اداس اور پھر ان دنوں کتنی خود آگاہ اور خود نگر ہو گئی ہے۔" (۴)

احمد ندیم قاسمی نے یہ بتانا چاہا ہے کہ قرۃ العین نے صرف معاشی حوالے سے جاگیر دار طبقہ کی خوبصورتی اور عیش و عشرت کو بیان کیا ہے۔ لیکن دوسری طرف معاشی پسماندگی کے شکار طبقہ کا بیان نہیں ہے۔ یہی مزدور طبقہ مختلف چھوٹے چھوٹے کام کر کے اپنی زندگی کی گاڑی چلا رہے تھے۔ انگریزوں کی طرف سے روزگار کے تمام ذرائع ختم کر دیے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے متوسط طبقہ مزید پس رہا تھا لیکن دوسری طرف جاگیر دار طبقہ بھی اس نظام سے محفوظ نہیں رہا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ زوال آمادہ ہو رہا تھا۔ اس ناول میں اسی معاشی کشمکش کو بیان کیا گیا ہے۔

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کنور عرفان علی خان اس ناول کا ایک اہم کردار ہے۔ یہ ایک بہت بڑا زمیندار ہے۔ اس وقت معاشی حوالے سے خوشحال ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے سابق وائس پریذیڈنٹ بھی ہے۔ اپنی معاشی اسٹیٹس کو قائم رکھنے کے لیے دکھاوا بہت کرتا ہے۔ فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں پہنتا ہے۔ اپنی کھو کھلی آن بان کا تحفظ کرتا ہے۔ یہ زیادہ تر ریاست کے کاروبار سے الگ رہتا ہے۔ اس کردار سے متعلق ڈاکٹر عبد السلام لکھتے ہیں:

"اس طبقے کو اپنی روزی کمانے کے لیے کوئی خاص محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ زمین داری کا انتظام کایستھ منشیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ کبھی کبھار حسابات کی جانچ پڑتال کر لیتے تھے۔"(۵)

ان لوگوں کا معاشی معیار بہت بلند تھا۔ ان کی معاش کا تمام تر انحصار زراعت پر تھا۔ یہ لوگ اپنے کسانوں کے پاس جاتے ضرور تھے لیکن صرف سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے۔ غریب اور مزدور طبقے کی طرح یہ محنت مزدوری نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی حکومت کے ساتھ بگاڑ کر جیل جانے کا حوصلہ تھا۔ یہ لوگ نچلے طبقے کے ساتھ ساتھ اونچے متوسط طبقے کے خاصے پڑھے لکھے اور باعزت لوگوں کو بھی نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کنور عرفان کو معاشی طور پر بد حال لوگوں سے کس قدر نفرت تھی۔ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

"انہیں چند چیزوں سے بے پناہ نفرت تھی۔ مثلاً وہ ان حقیر نو دولتیوں کا ناقابل معافی وجود کسی طرح برداشت نہ کر سکتے تھے۔ جنھیں اب تکلفاً اوپری یا متوسط طبقہ کہا جاتا ہے۔ انھیں متوسط طبقے سے چڑھ تھی۔ اس لیے وہ رخشندہ کے لیے امبر پور راج کے انور عظیم کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں مگر میجر سلیم انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔" (۶)

کنور عرفان کو اپنی معاشی حیثیت پر ناز تھا۔ وہ اپنی حیثیت سے کم تر کسی کو دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتا تھا۔ جب ملک کے معاشی حالات خراب ہونے شروع ہو گئے تھے تو کنور عرفان کے معاشی حالات میں بھی تبدیلی آنی شروع ہو گئی۔ وہ اپنی شان و شوکت، وضع داری اور نوابی ٹھاٹھ کے ریت کے محل کو گرنے سے نہیں روک سکا اور بڑی آسانی سے جان دے دی۔ اس واقعے کے بارے میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

"قرۃ العین نے کنور صاحب کے پیکر میں پرانے جاگیری نظام کو جو صورت بخشی ہے، وہ اپنے باریک سے باریک خطوں اور خموں اور رنگوں کے ساتھ بڑی مکمل ہے اور کنور صاحب کی یعنی پرانے زمینداری نظام کی اس چپ چاپ موت کا قرۃ العین نے مرثیہ نہیں پڑھا، صرف موت کی اطلاع دی ہے۔" (۷)

احمد ندیم قاسمی نے کنور عرفان کی موت کو پرانے جاگیر دارانہ نظام سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح انگریزوں کے آنے سے معاشی نظام تباہ ہو گیا تھا اور اس پر نوحہ خوانی کرنے والا کوئی نہ تھا، بالکل اسی طرح کنور عرفان بھی انتقال کر جاتا ہے اور اس کے مرنے سے گھر والوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے بلکہ وہ اپنے بچاؤ میں لگے رہتے ہیں۔ کنور عرفان کی موت جاگیر دارانہ نظام کی موت ہے۔ جس کی صرف موت کی اطلاع دی جاتی ہے۔

رخشندہ اس ناول کا اہم نسوانی کردار ہے۔ یہ جاگیر دارانہ سماج سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ کنور عرفان کی بیٹی ہے۔ یوں یوں ناول آگے بڑھتا ہے۔ اس کردار کے خدوخال آگے بڑھتے ہیں۔ رخشندہ پہلے اپنے کزن 'سلیم' سے محبت کرتی ہے مگر اپنی برتری کے احساس کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کرتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اعلیٰ طبقہ سے سمجھتی ہے اور سلیم کو متوسط طبقے کا فرد سمجھتی ہے۔ اس طبقاتی تقسیم کی وجہ سے ان دونوں کا ملاپ نہ ہو سکا۔ رخشندہ ایک جاگیر دار کی بیٹی ہے۔ اس کا رشتہ بھی برابر کے خاندان میں ہونا چاہیے۔ اس وجہ سے اس کی ماں اس کا رشتہ 'امیر پور' کے راج کے صاحب زادے 'انور عظیم' سے کرنا چاہتی ہے۔ انور عظیم معاشی حوالے سے معاشرے میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ اس کے باپ کے پاس بڑی جاگیر ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو معاش کا مسئلہ نہ تھا۔ ان کا معاشی معیار رخشندہ کے معاشی معیار کے برابر تھا۔ رخشندہ کی ماں اس رشتے سے خوش تھیں۔ وہ سلیم کو اس لیے پسند نہیں کرتی کہ اس کے پاس اعلیٰ مالی وسائل نہیں ہیں۔ مصنفہ اس کی مالی حیثیت کے بارے میں اس طرح بیان کرتی ہیں:

"انہیں وہ شخص بالکل پسند نہ تھا۔ وہ اس نو دولتیے متوسط طبقے کا ایک نمائندہ تھا۔ جس سے وہ اتنی نفرت کرتے تھے۔ وہ کسی تعلقہ دار یا زمین دار کا لڑکا نہ تھا۔ اس کے دادا یا پر دادا کے پاس شاہی کے وقتوں کے یا انگریزوں کے دیئے ہوئے خطابات نہ تھے۔ یعنی وہ اس طبقے کا فرد تھا جو اپنے پیشوں سے روزی کماتا ہے۔۔۔(۸)

سلیم کو اس لیے پسند نہیں کیا جاتا کہ وہ جاگیر دار کا بیٹا نہ تھا بلکہ اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے اپنی روزی حاصل کرتا ہے۔ رخشندہ کو اپنی معاشی برتری کا اس قدر احساس تھا کی وہ اینگلو انڈین ڈانسر سے اپنی برتری کی وجہ سے بات نہیں کرتی ہے۔ جب کرواہاراج کی زمین داری ختم ہوتی ہے اور ان پر معاشی زوال آتا ہے اور سماج نئی

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

معاشی تبدیلیوں کا شکار ہوتا ہے تو رخشندہ اسی ناچنے والی لڑکی ' ایمیلی ' کو ' ہیلو ' کہتی ہے اس کے ساتھ اس کے گھر بھی جاتی ہے اس کے ساتھ چائے پیتی ہے اور سارا دن اس کے ساتھ گزارتی ہے۔

رخشندہ نے اپنے معاشی وسائل کے بل بوتے پر ایک روشن خیال، ترقی پسند اور حریت فکر کا علمبردار " نیوایرا (New Era) "نام کا جریدہ نکالتی تھی۔ جب اس کے باپ کنور عرفان کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی والدہ نے اس سے گاڑی بھی چھین لی اور بعد میں جب ان کی زمینیں پر بھی قبضہ ہو گیا تو اس کے معاشی وسائل بھی ختم ہو گئے تو اس نے یہ جریدہ نکالنا بند کر دیا۔ قرۃ العین نے اس ناول میں رخشندہ کے روپ میں اس دور میں ہونے والی معاشی تبدیلیوں اور لوگوں پر اس کے اثرات کو بیان کیا ہے۔

اس ناول میں رخشندہ کا بھائی ' پی چو ' ہے جو ملٹری پولیس میں ملازمت کرتا ہے اور اس کا چھوٹا بھائی ' پولو ' پہلے تو اپنے باپ کی جائیداد پر عیاشیاں کرتا ہے لیکن جب ان پر معاشی زوال آتا ہے تو وہ کام کاج کی طرف راغب ہوتا ہے۔ وہ کلکتہ جا کر ٹریکٹر خرید تا ہے اور لکڑی کا کارخانہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ دراصل مصنفہ نے ' پولو ' کے کردار میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس دور میں جاگیر دارانہ نظام معیشت تباہ ہو رہا تھا اور اس کے بدلے میں سرمایہ دارانہ نظام معیشت پروان چڑھ رہا تھا۔

اس ناول میں ایک کردار ' شہلا رحمٰن ' کا ہے۔ یہ لڑکی معاشی لحاظ سے مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اس کے اندر امیر طبقے کو دیکھ کر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس کے پاس بھی دولت ہو اور وہ بھی عیش کی زندگی گزار سکے۔ اس مقصد کے لیے وہ کلبوں میں مغربی رقص کرتی ہے۔ اور جلد ہی اچھی جگہ پر رہائش اختیار کر لیتی ہے۔

رخشندہ کی ماں ' کنور رانی ' جاگیر دار طبقے کی ماڈرن خاتون ہے۔ وہ ایک مغرور اور خود پسند خاتون ہے۔ وہ امیر طبقے کی خواتین کی طرح وقت گزاری کے لیے فیشن ایبل سوشل فرائض انجام دیتی ہے۔ یہ معاشی حوالے سے بلند معیار زندگی کو پسند کرتی ہے۔

اس ناول میں بہت سی مہریاں اور مغلانیاں بھی ہیں جو نچلے طبقے کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس ناول میں جتنے بھی کردار ہیں وہ سبھی اپنے اپنے معاشی طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ لیکن فعال کردار اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دراصل مصنفہ نے اس میں ڈوبتے ہوئے جاگیر دارانہ معاشی نظام کو بیان کیا ہے۔ اس طرح اس ناول میں ڈوبتے ہوئے معاشی نظام کے حوالے سے معاشی تصورات کی عکاسی ملتی ہے۔

آگ کا دریا

قرۃ العین حیدر کا ناول ' آگ کا دریا ' ۱۹۵۹ء میں منظر عام پر آیا۔ ' آگ کے دریا ' میں برصغیر کی اڑھائی ہزار سال کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس طویل تاریخی سلسلے میں ہندوستان کی تہذیبی و اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور معاشی بدحالی کے مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس ناول کے چار حصے ہیں۔ پہلا حصہ قدیم ہندوستان سے مسلم دور حکومت کی ابتدا تک ہے۔ دوسرا حصہ مسلم دور کے عروج پر مشتمل ہے۔ تیسرے حصے میں اودھ کے بادشاہوں کے زوال کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اور آخری حصہ میں قیام پاکستان کے کچھ دیر بعد تک کی داستان ہے۔ یہ چار حصے ہندوستان کی تاریخ کے چار ادوار ہیں۔ ان چار ادوار میں قرۃ العین حیدر نے مختلف طبقات کو بیان کیا ہے۔ ان طبقات کے حوالے سے انھوں نے مختلف معاشی تصورات بھی بیان کے ہیں۔

پہلے حصے کے اہم کردار گوتم نیلمبر، ہری شنکر، چمپک اور امبکا ہیں۔ گوتم نیلمبر ایک برہمچاری ہے۔ وہ مصور بھی ہے۔ اس کے علاوہ ناٹک بھی کرتا ہے اور فنون حرب کاری سے بھی آگاہ ہے۔ راجکمار ہری شنکر ایک بھکشو کے روپ میں نظر آتا ہے۔ چمپاست راجکماری ہے۔ امبکا ایک رقاصہ ہے۔

اس ناول میں میں ناول نگار نے ایودھیا، شراوستی، کپل وستو، ویشالی، ٹیکسلا، کوسمبی، پاٹلی پتر وغیرہ اہم جگہوں کا ذکر کیا ہے۔ مصنفہ نے ان جگہوں کے پیشوں اور لوگوں کی معاشی حالت کے ذکر سے معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔ آج سے اڑھائی ہزار سال قبل مسیح کے دور میں بھی لوگ اپنی معاشی حیثیت کو بلند رکھنے اور خوشحال زندگی گزارنے کے لیے مختلف پیشوں کا انتخاب کرتے تھے۔ اس وقت بادشاہی نظام حکومت تھا۔ جنگ کے بعد چندر گپت موریہ کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اس نے بھی معاشی حوالے سے اپنی رعایا کی بہت زیادہ مدد کی اور ان کی بہتری کے لیے بہت سے قوانین وضع کیے۔

اس ناول کا اہم کردار گوتم نیلمبر ایک آشرم میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اس نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے باپ کا پیشہ اپنانا تھا۔ اس کا باپ راج دربار میں پروہت کار ہے۔ وہ بادشاہ کی طرف سے دوسرے ملکوں میں مشیر بن کر جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ گوتم بھی ان کے ساتھ اس کے پیشے میں شامل ہو۔ اس خاندان کو بادشاہ وقت کی طرف سے کافی معاشی سہولیات ملی ہوئی ہیں۔ قرۃ العین حیدر نے گوتم نیلمبر کے گھر کا نقشہ اور اس کے باپ کی معاشی حیثیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"شراوستی میں اس کا سہ منزلہ مکان تھا۔ جس کے برآمدے کے چوبی کھمبوں پر رنگین نقش و نگار بنے تھے۔ اس سڑک پر اس کا مکان سب سے اونچا تھا۔ اس کا باپ بہت دولت مند تھا۔ اس کی بہن کا بیاہ حکومت کے اعلیٰ عہدے دار سے ہوا تھا۔" (۹)

گوتم نیلمبر کا تعلق خوشحال گھرانے سے ہے۔ تعلیم پوری کرنے کے بعد اس کے باپ کی کرسی اس کی منتظر تھی۔ اس کے علاوہ بھی اس نے بہت سے روزگار کے حوالے سے سوچ رکھا تھا۔ وہ فنون حرب سے آگاہ تھا۔ اس لیے فوج میں بھی جا سکتا تھا۔ وہ نائک لکھتا تھا۔ اور ناٹکوں میں حصہ لینے کا بھی سوچا ہوا تھا۔ وہ مجسمے اور تصویریں بھی بناتا تھا۔ اس کام کو بھی وہ پیشے کے طور پر اختیار کر سکتا تھا۔ اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ وہ مختلف فنون کے نظریوں پر کتابیں بھی تصنیف کرے گا۔ اس کے علاوہ اس کی سوچ میں جو تبدیلیاں آئیں اس کے بارے میں ناول نگار لکھتی ہیں:

"گوتم نیلمبر اب چوبیس سال کا ہو چکا تھا۔ اتنی مدت میں پہلے وہ سوفسطائی بنا۔ پھر اس نے شِو کی پوجا کی۔ ہری کا بھگوت بنا۔ کپیل کے نظریوں پر اس نے بسیط شرحیں لکھیں۔ اس نے اپنے ہم نام فلسفی گوتم کا مطالعہ کیا جس نے براہمنوں کے قوانین بنائے تھے۔" (۱۰)

گوتم نیلمبر جب اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر چمپک کو ملنے جاتا ہے تو اس وقت بھی اسے اپنے مقام و مرتبہ کا خیال تھا۔ وہ چمپک کے قبیلے کے لوگوں کو دیکھ کر چھپ جاتا ہے اور اپنے بارے میں سوچتا ہے:

"وہ گوتم نیلمبر آشرم کا سب سے سعادت مند اور قابل طالب علم، مشہور لیکھت اور چترکار، برہم چاری، اس سمے چوٹوں اور آوارہ گردوں کی طرح ایک خیمے کے پیچھے چھپا لڑکیوں کو ناچتا دیکھ رہا تھا۔"(۱۱)

اس اقتباس میں گوتم نے خود کو مختلف پیشوں کے حوالے سے سوچا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لیکھک، چترکار اور برہمچاری ہے۔ جب چمپک اس کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ اس وقت وہ چمپک کا خوبصورت مجسمہ بناتا ہے اور دیواروں پر مختلف رنگوں سے اس کی تصویریں بھی بناتا ہے۔ اس کے علاوہ جنگ میں لڑتے ہوئے جب اس کی انگلیاں کٹ جاتی ہیں تو اپنی ذات کے اظہار کے لیے کوئی وسیلہ نہیں نظر آتا تو کاشی میں ایک نائک میں حصہ لیتا ہے اور کامیاب نائک کار بن جاتا ہے۔

قرۃ العین نے شراوستی میں رہنے والے لوگوں کے مختلف پیشوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان پیشہ وروں میں ندی پر کشتیاں چلانے والے بھی ہیں۔ کسان بھی ہیں۔ ہاتھی پالنے والے، بزاز، سنار کاری گر، آڑھتیا اور دوسری پیشہ ور جماعتیں بھی جو الگ الگ محلوں میں رہتی ہیں۔ ان کی اپنی اپنی منڈیاں ہیں اور اپنے اپنے قوانین اس کے علاوہ شراوستی میں مصوری اور سنگ تراشی کا پیشہ بھی نظر آتا ہے۔ ان لوگوں میں نائک اور نائکائیں بھی ہیں جو کھیل تماشا دکھا کر روٹی کماتے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹھگ، اچکے اور آوارہ گرد بھی ہیں جو دوسروں کو لوٹ کو اپنی ضروریات زندگی پورا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ امیر زادے اور امیر زادیاں بھی ہیں۔ جو دولت کے نشے میں چور ہیں، معاشی حالات بہت اعلیٰ ہیں۔ جو سولہ سنگھار کر کے تھالیوں میں گھی کے چراغ جلانے مندروں پر جاتی ہیں۔ قرۃ العین لکھتی ہیں:

رتھ کار، مٹی کے برتن بنانے والے، کلال اور بید کی ٹوکری بنانے والے شہر کے باہر رہتے تھے۔ آبادی سے بالکل الگ تھلگ چنڈولوں کی بستی تھی۔ ان کا پنجم طبقہ چاروں ذاتوں سے کم تر تھا۔ محض لاشیں اٹھانا اور مردے جلانا ان کی قسمت میں لکھا تھا۔ یہی ان کا پیشہ تھا۔"(۱۲)

اس وقت شراوستی میں ہر طرح کے پیشہ کار آباد تھے اور اپنا اپنا کام بخوبی انجام دیتے تھے۔ قرۃ العین حیدر نے اعلیٰ طبقے اور متوسط طبقے کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔

اس دور میں جنگیں عام ہوتی تھیں۔ لوگ جنگوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ انہی جنگوں کے نتیجے میں چندر گپت موریہ کی سلطنت قائم ہوتی ہیں۔ اس نے بادشاہت کے نظام کو ختم کیا۔ اب وہ نیا نظام حکومت قائم کرنے والا تھا۔ اس کی طاقت کے آگے کوئی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اس قدر جابر انسان نے پاٹلی پتر کے لوگوں کو معاشی لحاظ سے بہت مضبوط کیا۔ چوراہوں پر رقص ہوتا تھا۔ یہ رقص بھی معاشی خوشحالی کی وجہ سے تھا۔ وسیع تماشا گاہوں میں نیزہ بازی اور رتھوں کے مقابلے ہوتے تھے۔ سارا شہر دلھن کی طرح آراستہ تھا۔ لوگوں کو فکر معاش سے آزادی مل گئی تھی۔ اب ان سے زبردستی لگان وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ لوگوں کی معاشی خوشحالی کا نقشہ قرۃ العین نے اس طرح کھینچا ہے:

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"معدنیات، بازار، منڈیاں، نہریں، آبپاشی، شفاخانے، مالیات، تجارتی گودام، باغات، محصول، دیوانی، فوجداری، شادی، وراثت کے قوانین، تعلقات عامہ، امور خارجہ، دفاع، چراگاہوں اور قصاب خانوں کے اس نے الگ الگ محکمے قائم کیے ہیں" (۱۳)

وشنو گپتا کے نزدیک عوام کی معاشی بہتری کے لیے کام سب کاموں سے بڑھ کر تھا۔ اس کا کہنا تھا:

"ریاست کی بہتری شخصی فائدے سے برتر ہے۔" (۱۴)

وشنو گپتا نے اپنی عوام کی معاشی فلاح کے لیے بہت کام کیا۔ وہ لوگ جو کسی بھی پیشے کو اختیار نہیں کر سکتے تھے وشنو نے اُن کو بیکار نہیں رہنے دیا بلکہ ان کو جاسوسی کے محکمے میں شامل کر دیا تھا۔ ان کی ہی صلاحتیوں سے فائدہ لے کر ان کو معاشی تحفظ دیا۔ اس طرح مصنفہ نے بادشاہ وقت کی معاشی کوششوں کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔

'ایبکا' اس ناول میں ایک رقاصہ کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے ایک رقاصہ کے حوالے سے بھی معاشی شعور کو بیان کیا ہے۔ 'ایبکا' پیشے کے لحاظ سے نائکہ ہے۔ یہ اپنا رقص دکھا کر اپنی زندگی کی گاڑی کو چلاتی ہے۔ اسی کے ذریعے گوتم ناٹک دکھانے والی کمپنی میں شامل ہوتا ہے۔ ایبکا اپنے رقص کی وجہ سے مشہور ہو جاتی ہے۔ اس کو دیکھنے کے لیے شہر کے امیر زادے آتے ہیں اور اس کی ایک جھلک دیکھنے پر ہزاروں روپیہ نچھاور کر دیتے ہیں۔ اس طرح اس ناول میں رقاصہ اور طوائف کے علاوہ امیر طبقے کے حوالے سے بھی معاشی تصور کو پیش کیا گیا ہے۔

اس ناول کا دوسرا حصہ مسلم دور کے عروج پر مشتمل ہے۔ یہ دور مسلم عہد سلاطین کے اواخر سے لے کر شیر شاہ سوری کے عہد حکومت (۱۵۴۵ء۔ ۱۵۴۰ء) پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں بنگال، جونپور، بنارس، ایودھیا اور شراوستی (جس کا نام بہرائچ ہے) کے شہر دکھائے گئے ہیں۔ اس حصے میں مصنفہ نے ان شہروں کے معاشی حالات کے حوالے سے مختلف معاشی تصورات بیان کیے ہیں۔

اس حصے میں اہم کردار ابو المنصور کمال الدین اور ہندوستانی پنڈت زادی چمپاوتی ہے۔ ابو المنصور کا تعلق ایران سے ہے اور معاش کے حوالے سے وہ سلطان حسن شرقی کے کتب خانے کا انچارج تھا۔ اس کے علاوہ جنگ اور جنگی چالوں کا ماہر تھا۔ آخری عمر میں اس نے جنگوں سے بیزار ہو کر کھیتی باڑی شروع کر لی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے معاش کا یہ بھی ذریعہ کہ وہ گانے لکھنے لگا تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ان کا نام جلال اور جمال تھا۔ یہ دونوں بیٹے بھی اپنا الگ ذریعہ معاش اپنائے ہوئے تھے۔ یہ دونوں ماہر تعمیرات کے پیشے سے وابستہ تھے۔ اس کے علاوہ اس حصے میں پنڈت، بھکشو، برہمچاری، غریب کسان، مچھیرے، فوجی اور سپاہی کے حوالے سے بھی معاشی تصورات نظر آتے ہیں۔

اس ناول کے دوسرے حصے کے آغاز میں ہی مصنفہ نے چمپاوتی (جو پنڈت زادی ہے) کی ملاقات ایک ایرانی مسلمان سے دکھائی ہے۔ یہ ایرانی مسلمان جب اپنا تعارف کرواتا ہے تو اس میں بھی ایرانی لوگوں کی معیشت کے حوالے سے معاشی تصورات کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ ابو المنصور کمال الدین سلطان حسین شرقی کے کتب خانے میں کتب کا انچارج تھا۔ اس نے اس لائبریری میں رہتے ہوئے مختلف زبانیں بھی سیکھی تھیں۔ اس ناول میں ایک جگہ پر ابو المنصور اپنا تعارف جس طرح کرواتا ہے اس سے بھی اس کی معاشی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے:

"بغداد اور جونپور کا ابو المنصور کمال الدین، مورخ، محقق، سیاست دان، سپاہی، جسے تصوف اور معرفت سے کبھی کوئی سروکار نہ تھا۔" (۱۵)

ابو المنصور کی معیشت کا انحصار مختلف پیشوں پر تھا۔ وہ محقق، تاریخ دان، سیاست دان اور سپاہی تھا۔ وہ بغداد اور نیشاپور سے ہوتا ہوا دہلی اور برائچ پہنچا تھا۔ اس نے اپنے سلطان کے لیے جنگوں میں حصہ بھی لیا تھا۔ رقص اور موسیقی پر بھی کتابیں لکھیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر بنارس پہنچ کر بھگت کبیر داس (۱۵۱۸ء۔ ۱۴۴۰ء) کے حلقے میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد چمپاوتی کی یاد میں بنارس کو چھوڑ کر چانگام کے علاقے میں آ جاتا ہے۔ ایک شودر لڑکی شنیلا سے شادی کرتا ہے۔ اس وقت وہ کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کرتا ہے:

"گزر اوقات کے لیے وہ کھیتی کرتا، اس نے کھیت میں دھان جوئے تھے اور اس کے جھونپڑے کے سامنے چھوٹا تالاب تھا جس میں سنگھاڑے تھے اور کنول کے پھول اور جس میں روپہلے پیروں والی بطخیں تیرتی تھیں۔" (۱۶)

ابو المنصور کے دونوں بیٹے پیشے کے اعتبار سے ماہر تعمیرات تھے۔ گوڑ اور سنار گاؤں میں عمارتیں بناتے تھے۔ جمال کے پیشے کے بارے میں مصنفہ لکھتی ہیں:

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"گوڑ کی چھوٹا سونا مسجد اور گن منت مسجد کا نقشہ جمال نے تیار کیا تھا۔ بڑا سونا مسجد کی سبز اور نیلی اور سفید اور زرد اور نارنجی پچی کاری میں بنگال کے سارے رنگ سمیٹ لیے گئے۔"(۱۷)

جلال بھی تعمیرات کے پیشے سے وابستہ تھا۔ وہ مغلوں کے لیے عمارتیں بنانے دہلی جارہا تھا۔ چمپاوتی کا بھائی کاغذ پر لکیریں کھینچتا تھا جو کتابیں لکھنے کے لیے کام آتی تھیں۔ سلطان حسین شرقی موسیقی کا دلدادہ تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور میں رقص اور موسیقی بھی روزگار کا اہم ذریعہ تھے۔ اس دور میں بھی جنگیں ہوتی تھیں۔ لوگ سپاہی کا پیشہ بھی اختیار کرتے تھے۔ وہ لوگ جن کو کوئی پیشہ نہ ملتا تھا وہ فوج میں چلے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے کسان اور مچھیرے بھی نظر آتے ہیں۔ اس طرح ناول کے اس حصے میں متوسط طبقے کے حوالے سے معاشی تصورات پیش کیے گئے ہیں۔

ناول کا تیسرا حصہ اودھ کے حکمرانوں کے زوال کے حوالے سے معاشی تصورات کا عکاس ہے۔ یہ حصہ کیمرج سے فارغ التحصیل سرل ہاروڈ ایشلے کے کردار سے شروع ہوتا ہے۔ اس حصہ میں انیسویں اور بیسویں صدی کے ہندوستان کے معاشی حالات بیان کیے گئے ہیں۔ اس حصے کے اہم کردار سرل ہاروڈ ایشلے، ماریا، ٹیریزا، شنیلا، کاگستھ، رادھے چرن، چمپابائی، گوتم نیلمبر دت اور نواب کمال الدین علی رضا بہادر ہیں۔

ناول کے اس حصے میں ہمیں معاشی لحاظ سے تین طبقات کے حوالے سے معاشی تصورات نظر آتے ہیں۔ ایک غریب اور مفلس طبقہ ہے۔ دوسرا متوسط طبقہ جو معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے فرنگیوں کے ساتھ مل گیا ہے اور تیسرا امیر طبقہ جن میں انگریز شامل تھے۔ جنھوں نے ہندوستان کی معیشت کو اپنے قبضے میں کر کے مقامی نیٹوز کو اپنا غلام بنالیا تھا۔

ان لوگوں کی معیشت کا انحصار مختلف پیشوں پر ہے۔ سرل ہاروڈ شیلے تاجر ہے۔ ماریا ٹیریزا اور شنیلا غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ گوتم نیلمبر دت کلرک ہے۔ چمپابائی رقاصہ اور طوائف ہے۔ کائستھ رادھے چرن بنگال کے نوابین کے ہاں ملازم ہے۔ نواب کمال الدین علی رضا تعلقہ دار شاعر اور مرثیہ خواں ہیں۔

سرل ہاروڈ ایشلے کا تعلق انگلستان سے ہے اور اس کی معاشی حالت پہلے بہت ابتر تھی۔ اس کا باپ ایک غریب پادری تھا۔ زندگی کا نظام بڑی مشکل سے چلتا تھا۔ قصبے کے زمیندار نے سرل کی مالی مدد کی۔ اس معاشی مدد کی وجہ سے وہ کیمرج تک پہنچ گیا۔ ایک روز شراب خانے میں سرل کی ملاقات پیٹر جیکسن سے ہوئی۔ پیٹر بہت امیر طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ تجارت کے پیشہ سے منسلک تھا۔ وہ ہندوستان میں نیل کی کاشت سے ہزاروں پونڈ کماتا تھا۔ وہ سرل کو بھی معاشی حالت بہتر کرنے کے لیے تجارت کا مشورہ دیتا ہے۔ قرۃ العین حیدر نے اس معاشی تصور کو اس طرح ناول میں پیش کیا ہے:

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ہندوستان چلو۔ تم سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اگر عقل سے کام لیا تو چند روز میں وہاں سونے کے محل کھڑے کر لو گے۔۔۔ پیٹر اُسے سٹی میں اپنے چچا کے پاس لے گیا۔ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک ڈائریکٹر تھا۔" (۱۸)

قرۃ العین حیدر نے 'آگ کے دریا' ناول میں سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔ سرل جب انگلستان کو چھوڑ کر بحری جہاز کے ذریعے ہندوستان جارہا تھا تو اس کو اپنے آبائی وطن کو چھوڑنے کا بہت غم تھا۔ کیونکہ انگلستان ایک سرمایہ دار ملک تھا۔ ہر طرف دولت کی ریل پیل تھی۔ لوگ معاشی لحاظ سے خوش حال تھے۔ معاشی مسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ بازار روز مرہ استعمال کی اشیاء سے بھرے پڑے تھے۔ گرجاگھروں سے ہر وقت گھنٹیوں کی صدائیں آتی تھیں۔ سرل بھی خود کو معاشی لحاظ سے مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ وہ انگلستان کا ایک متوسط شہری تھا۔ وہ بہتر معاشی معیار زندگی کے لیے ہندوستان جارہا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں ہی ہندوستان اور انگلستان کی معیشت کا اس طرح مقابلہ کرتا ہے:

"انگلستان جہاں سکون تھا اور مکمل حسن، بنگال اور کینیڈا اور جنوبی امریکہ سے آئی ہوئی دولت نے ملک کو مالا مال کر دیا تھا۔ نت نئے فیشن ایجاد ہو رہے تھے۔ اونچے اونچے قصر تعمیر کیے جارہے تھے۔ باغات سجائے گئے تھے۔ غریب امیر ہو چکے تھے۔ امیر ہیرے موتی رولتے تھے۔ ہر طرف ایک چرچا تھا۔ دولت۔۔۔ دولت۔۔۔ سرل جو ادب کا اسکالر تھا۔ جسے دولت سے غرض نہیں تھی۔ وہ بھی اسی دھن میں جارہا تھا۔ وہ مفلس طالب علم بنگال پہنچ کر امیر ہو جائے گا۔ لندن میں اس کا بھی ایک محل ہو گا۔" (۱۹)

سرل اپنے معاشی حالات سے تنگ آکر ہجرت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ سفر کے دوران ہی ہندوستان کے معاشی حالات سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس کو بتایا جاتا ہے کہ مقامی لوگ بہت بیوقوف ہیں جس کی وجہ سے یورپین ترقی کر رہے ہیں۔ سرل بھی ہندوستان کو سونے کو چڑیا سمجھتا تھا۔ سرل نے کلکتہ میں قیام کیا۔ محنت کی، جس کی وجہ سے وہ کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے نیل کی کاشت شروع کر دی تھی۔ اتنی زیادہ محنت کے بعد آخر کار اس کو وہ سب کچھ مل

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

گیا تھا جس کا وہ حقدار تھا۔ اس نے کچھ ہی عرصے میں اپنا معاشی معیار زندگی بلند کر لیا تھا۔ اس کی خدمت میں ہر طرح کے ملازم رہتے تھے۔ ناول نگار نے سرل اور مقامی لوگوں کی معاشی حالت کا بیان کر کے اس طرح معاشی تصور کو پیش کیا ہے:

> "سرل اب کلکتے کی اعلیٰ سوسائٹی میں رل مل چکا تھا اور اسی اسٹائل سے رہتا تھا جو اس سوسائٹی کی خاصیت تھی۔ اس کے پالکی بردار ہر وقت سرخ وردی میں ملبوس رہتے۔۔۔ رات کو مشعلچی اس کی فینس کے آگے آگے دوڑتے۔ خانساماں اور خدمت گار اس کے مطبخ اور کھانے کے کمرے کے نگران تھے۔ حقہ بردار اس کا پیچواں بھرتا تھا۔ دفتر میں اس کا کلرک یوریشین تھا۔۔۔ ان گنت ہرکارے اور پیادے اور چپڑاسی ایک تن تنہا سرل ایشیلے اور اس کے ذاتی بنگلے میں چالیس پچاس آدمی شامل تھے۔ اس کے علاوہ اس کا مالی تھا اور گراس کٹ اور سائیس اور چابک سوار اور بہشتی دربان، چوکیدار۔ پھر اس کا بجرہ تھا۔ جس کے مانجھی اس کے ملازم تھے۔ درزی، دھوبی اور نائی ان سب سے علیحدہ۔" (۲۰)

اس ناول میں تمام ہندوستان کے متوسط طبقے نمائندہ کردار ہیں۔ ان کے ذریعے مصنفہ نے متوسط طبقے کے معاشی تصورات کی عکاسی کی ہے۔ سرل ان سے اپنی خدمت بھی کرواتا تھا اور ضرورت پڑنے پر ان کو سزائیں بھی دیتا تھا۔

قرۃ العین حیدر نے اس حصے میں انگریزوں کے معاشی مظالم اور ان کی معاشی لوٹ کھسوٹ کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔ سرل متوسط طبقہ سے ترقی کرتا کرتا نوابین کے طبقے تک پہنچ گیا تھا۔ سرل اور اس جیسے او ر بہت سے انگریزوں نے پٹنہ، ڈھاکہ، قاسم بازار، بلاسور اور ہگلی میں تجارت شروع کر دی تھی۔ سب مل کر ہندوستان کو لوٹ رہے تھے۔ اور اپنی معیشت کو مضبوط کر رہے تھے۔ جنگ پلاسی کے بعد انگریز معاشی حوالے سے اور بھی مضبوط ہو گئے تھے۔ ان کے گھروں میں دولت کے انبار لگ رہے تھے۔ یہ لوگ شورے اور نیل کی کاشت کرتے تھے اس کی وجہ سے یہ کروڑ پتی ہو گئے تھے۔ دولت کے آنے سے انسان کے اندر جو خرابیاں آتی ہیں وہ سبھی سرل اور اس کے ساتھیوں میں موجود تھیں۔ ناچ رنگ، مرغ بازی، شعر و شاعری، حقہ وغیرہ ان لوگوں کے مشاغل تھے۔ ہندوستان کے نوابوں اور انگریزوں میں آپس میں اب سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ سرل کو ۸ جون ۱۸۹۸ء تک ہندوستان میں آئے ہوئے پانچ سال ہو گئے تھے اس عرصہ میں اس نے معاشی طور پر جو ترقی کی تھی اس کا بیان مصنفہ اس طرح کرتی ہے:

> "سرل یک بیک چونک اٹھا۔ اسے ہندوستان آئے پورے پانچ سال ہو گئے تھے۔ ان پانچ سالوں میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ نیل کی تجارت دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی۔ گجرات کی نیل کی صنعت دم توڑ چکی تھی۔ اس کی جگہ کمپنی کے انگریز پلانٹر زدلی سے بنگال تک پھیل گئے تھے۔" (۲۱)

انگریزوں نے ہندوستان کے مقامی لوگوں اور یورشین نسل سے جو ناانصافیاں کیں۔ ان کے حوالے سے بھی اس حصے سے معاشی تصورات ملتے ہیں۔ سرل نے ان پانچ سالوں کے دوران ایک غریب اور مفلس لڑکی کو شادی کے بغیر ہی اپنے گھر رکھا۔ اس سے اولاد بھی پیدا ہوئی لیکن وہ یورشین ہونے کی وجہ سے اپنے باپ کی جائیداد کی حق دار نہ تھی۔ سرل اس بات سے آگاہ تھا کہ اس کی اور شنیلا کی اولاد معاشی لحاظ سے پست زندگی گزارے گی۔ ان کو مدراس یا کلکتے کے یتیم خانے میں داخل کر دیا جائے گا۔ ان کو اچھی نوکریاں بھی نہیں ملیں گی۔ اس کا بیٹا کلرک بنے گا یا پھر کسی رجمنٹ میں شامل ہو جائے گا اور اس کی بیٹی کسی انگریز نواب زادی کی آیا بن کر رہے گی یا کسی فوجی انگریز کی داشتہ بنے گی۔ سرل کو ان تمام باتوں کا علم تھا اس کے باوجود وہ ہندوستان کی غریب لڑکیوں کی زندگی سے کھیلتا ہے۔ آخر کار سرل کی بیٹی چار سال کی عمر میں ایک طوائف کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

'شنیلا' متوسط طبقے کی نمائندہ ہے اس کا باپ بے روزگار ہے اس کا بھائی فاقوں سے مجبور ہو کر ڈھاکہ آتا ہے اور سرل کی فیکٹری میں کام شروع کرتا ہے۔ شنیلا کے اسی بھائی نے اس کا سودا سرل سے کیا تھا تاکہ اسے اچھی ملازمت مل سکے۔ شنیلا نے بھی اپنے معاشی حالات کی تنگی کی وجہ سے یہ سودا قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ اس کے سات بہن بھائی تھے۔ وہ سب نہایت معاشی ابتری کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس کا بھائی اپنا مذہب تبدیل کرنے کا سوچ رہا تھا کیونکہ چرچ والے خود ہی ان کی بہنوں کی شادیاں کر دیں گے۔ چنانچہ شنیلا ان تمام باتوں کی وجہ سے اس ناجائز شادی پر تیار ہو جاتی ہے۔ مصنفہ نے متوسط طبقے کے حوالے سے معاشی تصور کو اس طرح بیان کیا ہے:

> "سرل صاحب نے شنیلا سے بیاہ نہیں کیا۔ مگر شنیلا نہ خوش نہیں تھی۔ وہ شان سے کوٹھی میں رہتی اور نوکروں پر حکومت کرتی تھی۔" (۲۲)

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

سرل نے اپنی عیاشیوں کے لیے ایک مفلس زدہ لڑکی سے شادی کی تو دوسری طرف اپنی نسل کو بڑھانے کے لیے اپنے ہی معاشی رتبے کے برابر ایک لیڈی' لیڈی ایشلے' سے شادی بھی کی تھی۔ جس کا بھائی مدراس کا چیف جسٹس تھا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا بھی پیدا ہوا۔ سرل اس شادی کے تین سال بعد فوت ہو گیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا' سرل ایڈون ڈیرک ایشلے' کروڑوں کی جائیداد کا مالک بنا تھا۔ مصنفہ سرل ہاروڈ ایشلے کی وفات کی بعد اس کے بیٹے کی معیشت کے بارے میں اس طرح بیان کرتی ہے:

> "بڑے ہو کر اس کے بیٹے سرل ایڈون ڈیرک ایشلے نے اپنے باپ کے کمائے ہوئے روپے سے زبردست کاروبار شروع کیا۔ جس کی شاخیں جنوبی امریکہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سلطنت برطانیہ اب ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ برما میں ٹین کی کانیں تھیں۔ ملایا میں ربڑ کے جنگلات، چین میں افیم کی تجارت۔ ہندوستان ۱۸۵۷ء کے بعد اب باضابطہ طور پر وکٹوریہ کی ایمپائر میں شامل ہو چکا تھا۔ سارا مشرق اب مرحوم سر سرل ہاروڈ ایشلے کے بیٹے لارڈ سرل ایڈون ایشلے کا تھا۔" (۲۳)

قرۃ العین حیدر نے اس حصے میں طوائف کے حوالے سے بھی معاشی تصور کو پیش کیا ہے۔ اس دور میں ' طوائف' کا پیشہ بہت اہمیت رکھتا تھا۔ لکھنوی تہذیب میں ایک اہم کردار ' طوائف' کا ہے۔ اس کردار کی نمائندہ ' چمپا بائی' ہے۔ چمپا بائی ڈوبتی ہوئی لکھنوی تہذیب اور معیشت کی نمائندہ ہے۔ اس نے اپنی جوانی اس پیشے کے لیے وقف کر دی تھی۔ اس کے کوٹھے پر امیر طبقہ کے لوگ آتے ہیں۔ یہ لوگ مضبوط معاشی حیثیت کے مالک ہیں۔ ان لوگوں میں جوان، ادھیڑ عمر اور بوڑھے سبھی شامل ہیں۔ یہ لوگ خوبصورت لباس میں ملبوس اور ہاتھوں میں فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں پہنے، گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے بے فکری سے اس کا رقص دیکھتے تھے۔ یہ لوگ معاشی لحاظ سے آسودہ تھے اور اپنی دولت کو اس کے کوٹھے پر نچھاور کرنے کو آجاتے تھے۔ یہ ناول امیر طبقے کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کا عکاس ہے۔

اس ناول میں طوائف کی زندگی اور اس کے انجام سے متعلق بھی معاشی تصورات ملتے ہیں۔ ' چمپا بائی' خوبصورت طوائف ہے۔ لوگ اس کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ لیکن اس کا انجام بہت دردناک ہے کیونکہ جب یہ اپنے بڑھاپے کی دہلیز پر کھڑی ہوتی ہے تو ایک ایک روپے کو ترستی ہے۔ مصنفہ نے اس کی معاشی حالات کی ابتری کا ذکر اس طرح کیا ہے :

> "چمپا سڑک کے کنارے دلائی میں لپٹی کھڑی ان کا دیا ہوا روپیہ لیمپ کی روشنی میں الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا ہو اس کے بال چاندی کی طرح چمک رہے تھے اور اس کے چہرے پر ان گنت جھریاں تھیں۔ اس کی دلائی میں جابجا پیوند لگے تھے۔" (۲۴)

چمپا کی خوبصورتی ہی اس کی معاش کا ذریعہ تھی۔ جس کو لوگ پسند کرتے تھے۔ بوڑھا ہونے پر اس کا ذریعہ معاش بھی ختم ہو جاتا ہے۔ قرۃ العین حیدر نے طوائف کے انجام کے حوالے سے اس ناول میں اہم معاشی تصور پیش کیا ہے۔

مصنفہ نے سرمایہ دار طبقہ کی معاشی حالت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے غریب اور نچلے طبقے کے حوالے سے بھی معاشی تصورات پیش کیے ہیں۔ ناول کی تیسرے حصے کے آغاز ہی میں ہماری ملاقات ایک ایسے ملاح سے ہوتی ہے جو بنگال سے تعلق رکھتا ہے اور انگریزوں کی مار کھا رہا ہے تو دوسری طرف انگریز لوگ ان کی طرف دیکھ کر سوچتے ہیں کہ یہ ہندوستانی عوام کس قدر سخت جان ہے جو اس قدر معاشی بدحالی کے باوجود زندہ ہیں۔ سرل ان ملاحوں کی طرف دیکھ کر سوچتا ہے:

> "سرل اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ کس قدر سخت جان لوگ ہیں۔ اس نے سوچا۔ ابھی چند سال ہوئے کیسا ہولناک قحط صوبے میں پڑا تھا۔ دریاؤں میں اتنے طوفان آتے ہیں۔ وبائیں پھیلتی ہیں مگر یہ لوگ اسی بے حیائی سے جیے جاتے ہیں۔ حد ہے واقعی۔" (۲۵)

'آگ کا دریا' ناول میں ہمیں بنگال کی معاشی تباہی سے متعلق بھی معاشی تصورات ملتے ہیں۔ انگریزوں کی آمد سے بنگال کی معیشت بالکل تباہ ہو گئی تھی۔ انگریزوں نے صنعتوں اور تمام زمینوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مقامی لوگوں کو ملازمتوں سے نکال دیا تھا۔ ان مقامی لوگوں کے گھروں میں قحط پڑ گیا تھا۔ سیتہ نرائن کے بھکاری جب ان کے گھروں سے مانگنے آتے تو ان کو خالی ہاتھ واپس جانا پڑتا تھا۔ شنیلا کے بھائی بنگال کی معاشی بدحالی کا بیان اس طرح کرتا ہے :

> "وہ تین دن سے تیل کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ تیل سونے کے بھاؤ بک رہا تھا تھا۔ نمک عنقا تھا۔ چاول کی وہ صورت کو ترس گیا تھا۔ چھالیا اور تمباکو اور چاول اور نمک اور ہر شے کی تجارت پر کمپنی بہادر کے فرنگیوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ دریا

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

وں پر ان کی کشتیاں مال سے لدی ہوئی چل رہی تھیں مگر بازار میں قیمتیں آسمان تک پہنچ چکی تھیں۔ چوپال میں سات آٹھ آدمی اور آن کر بیٹھ گئے۔ آہستہ آہستہ باتیں شروع ہوئیں۔۔۔ اب وہاں کھانے کو نہیں ملتا ہے۔ سارے کرگھے ٹوٹ گئے۔ اب ہم بھی ہل چلائیں گے؟ اوجیت نے کہا" (۲۶)

ہندوستانیوں کی معیشت میں تبدیلی اس وقت پیدا ہوئی جب انگریزوں نے صنعت کو بالکل تباہ کر دیا اور لوگوں نے دوبارہ زراعت کی طرف رخ کیا۔ زراعت کے شعبے میں بھی بہت مشکلات تھیں۔ لگان زیادہ تھا اور پیداوار کم تھی۔ قحط زیادہ پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ کارنوالس کے نئے قانون نے بالکل ہی کمر توڑ دی تھی ۔ صنعت کے شعبے کا بھی یہی حال تھا۔ ہندوستان خام مال تیار کرنے والا زرعی ملک بن گیا تھا۔ پارچہ جات یہاں سے جاتے نہیں بلکہ یہاں آتے تھے۔ غیر ملکی حکمران کسان کو اناج کی بجائے کپاس پیدا کرنے کو کہتے تھے۔ جس کی وجہ سے بنگالیوں کے پیٹ مزید خالی ہو گئے تھے۔ لیکن فرنگیوں کی جیبیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے کچھ لوگوں نے انگریزوں سے معاشی معاہدے کر لیے تھے۔ یہ مارواڑیوں کی نسل تھی اور مقامی حکمرانوں اور کمپنی کی ریشہ دوانیوں میں حصہ لے کر روپیہ بنا رہے تھے۔ یہ بنگال کے بنیوں کا نیا طبقہ تھا۔ جو بنگال کو لوٹنے میں انگریزوں کا ساتھ دے رہے تھے۔

اس حصے میں گوتم نیلمبر دت بھی اہم کردار ہے۔ یہ پہلے قلی اور بعد میں سرل کے کلرک کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس کے ماں باپ کا پیشہ کھیتی باڑی ہے۔ وہ سرل کے ساتھ لکھنؤ بھی آتا ہے۔ لکھنؤ کے حالات دوسری جگہوں سے بہت اچھے تھے اور وہاں تقریباً ہر پیشے کے لوگ تھے۔

چوتھے اور طویل ترین دور بیسویں صدی کے نصف اوّل سے شروع ہو کر تقسیم کے بعد کے کچھ سالوں پر مشتمل ہے۔ اس پورے عہد میں جاگیر دارانہ معاشرہ کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس حصے میں نیلمبر دت، چمپا احمد، عامر رضا، گوتم، کمال، ہری شنکر، طلعت اور نرملا کے کردار جاگیر دارانہ معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طبقے کا نمایاں پہلوان کے کردار کی بے عملی ہے۔

ہری شنکر اور گوتم حکومت ہند کے اعلیٰ افسر ہیں۔ عامر رضا ذاتی ترقی اور عہدے کی لالچ میں پاکستان آتا ہے۔ کمال نیشنلسٹ ہے۔ اس کی ملازمت بہت دیر سے ہوتی ہے۔ گوتم نیلمبر، بہرائچ (شراوستی) کے رئیس سر پرديپ نرائن کا بیٹا ہے۔ چمپا احمد بنارس کے ایک متوسط طبقے کے مسلمان وکیل کی بیٹی ہے۔

قرۃ العین نے گنگا دین، حسینی، رام اوتار، قدیر اور کرن جیسے سیدھے سادھے اور زندگی سے بھرپور کرداروں کو پیش کیا ہے۔ اس ناول میں امیر طبقہ بھی ہے جو قیام پاکستان کے بعد خوشحال زندگی گزار رہا ہے اور یورپین یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان کرداروں کی مدد سے مصنفہ نے ہندوستانی اور پاکستانی سفارت خانوں کے حالات، تعلیمی اداروں کی تقریبات، بین الاقوامی نشریاتی و صحافتی اداروں کی سرگرمیوں، بالشویک طلباء طالبات کی کانفرنس، دانشور طبقے، شہرت یافتہ ادبی شخصیات اور فنونِ لطیفہ سے وابستہ لوگوں کے احوال کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔

'آگ کا دریا' ناول قیام پاکستان کے بعد کے ابتدائی معاشی حالات کا بھی عکاس ہے۔ تقسیم ہند کے بعد مہاجرین معاشی لحاظ سے بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں ۔ کمال معقول ملازمت کے لیے کراچی آ جاتا ہے۔ پاکستان کے شہر کراچی میں آ کر آباد ہوتا ہے۔ اپنی چھوٹی بہن کو ولایت میں خط لکھتا ہے جس میں پاکستان کے بدترین معاشی حالات کا ذکر کرتا ہے۔ وہ کراچی کی عوام اور خاص کر پناہ گزینوں کے معاشی حالات کو اس طرح بیان کرتا ہے:

" کراچی: مملکت خداداد پاکستان، دنیا کی سب سے بڑی سلطنت اور دنیا کے پانچویں بڑے ملک کا دارالحکومت، جہاں کے سلمز اور پناہ گزینوں کے جھونپڑے عجائبات عالم میں شمار کیے جاتے ہیں۔ خصوصاً وہ غلیظ ترین بھیانک "جھگیاں" جو قائداعظم کے مزار کے آس پاس پھیلی ہیں۔" (۲۷)

کراچی کے معاشی حالات بہت خراب تھے۔ روزگار کے مواقع صرف اونچے طبقے کے لیے تھے۔ غریب طبقہ دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے حاصل کرتا تھا۔ مہنگائی، رشوت اور اقربا پروری اور معاشی مشکلات کا ذکر بار بار ہوتا ہے۔ لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ کوئی کام بھی سفارش اور رشوت کے بغیر نہیں ہوتا ہے۔ ہر طرف بے ایمانی پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی لیڈر سامنے آ کر ان مسائل کا حل پیش نہیں کرتا ہے۔ سیاسی لیڈر اس مسائل کا حل کیسے پیش کر سکتے تھے۔ وہ تو خود تمام معیشت پر چھائے ہوئے تھے۔ دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے۔ ان کی بیگمات بھی خوبصورت ملبوسات پہنے مختلف ملکی اور بین الملکی پارٹیوں میں شامل ہوتی ہیں۔ ان کی مختلف اخبارات میں تصویریں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ پاکستان کس قدر معاشی طور پر خوشحال ہے۔ کمال اس حوالے سے معاشی شعور کو اس طرح سے بیان کرتا ہے:

" اعلیٰ طبقہ، جو بڑے بڑے تاجروں، اعلیٰ حکام پر مشتمل ہے اس کی علیحدہ برادری ہے۔ اتوار یہ لوگ سمندر کے کنارے گزارتے ہیں۔ چھٹیاں لے کر یورپ اور امریکہ جاتے ہیں۔ ان کی اولاد بھی مغربی ممالک میں پڑھ رہی ہے۔ انھوں نے

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لاکھوں روپیہ سوئٹزر لینڈ کے بنکوں میں جمع کر لیا ہے۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ یہ لوگ، جو بات بات پر دوسروں کو غدار اور وطن فروش کے نام سے نوازتے ہیں اور حُب وطن کا سارا ٹھیکہ انھوں نے خود لے رکھا ہے۔ یہی سب لوگ خود انگلستان یا کینیڈا میں سکونت اختیار کرنے کے پروگرام بنا رہے ہیں۔" (۲۸)

پاکستان اپنے قیام کے بعد چند سالوں میں ہوش سنبھالنے لگا تھا۔ اس کے متوسط طبقے کے لوگ اب ماڈرن اور امیر طبقہ میں شامل ہو گئے تھے۔ اب اس معاشی ترقی میں عورتیں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئی تھیں۔ یہ ایک اچھا شگون تھا۔ کمال نے اپنے اس خط میں کراچی کے معاشی حالات کا نقشہ کھینچا ہے۔ ایک طرف اعلیٰ طبقہ ہے جو سارے نظام معیشت پر چھایا ہوا ہے دولت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہے ہیں تو دوسری طرف متوسط طبقہ ہے جس کو روزگار ملتا ہی نہیں ہے۔ وہ معاشی حوالے سے پسماندگی کا شکار ہیں اور بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے۔

قرۃ العین حیدر نے اس ناول میں اڑھائی ہزار سالہ تاریخ بیان کی ہے جس کی وجہ سے ہمیں اتنے عرصے کی معیشت، ذرائع معاش اور لوگوں کے معاشی حالات کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اس قدر طویل دور کے معاشی تصورات کی عکاسی کے حوالے سے یہ ایک اہم ناول ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احمد دہلوی، سید، فرہنگ آصفیہ، لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۲ء، ص ۳۶۸
۲۔ یسوئی، لوئیس معلوف، المنجد، مترجم: مولانا سعد حسن خاں یوسفی، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۷۴ء، ص ۵۶۷
۳۔ ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر، قرۃ العین حیدر۔ ایک مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء، ص ۵۶۸
۴۔ احمد ندیم قاسمی، میرے بھی صنم خانے، مشمولہ: قرۃ العین حیدر۔ ایک مطالعہ، مرتبہ: ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء، ۱۰۹
۵۔ عبدالسلام، ڈاکٹر، قرۃ العین حیدر اور ناول کا فن، دہلی: اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۳ء، ص ۳۶
۶۔ قرۃ العین حیدر، میرے بھی صنم خانے، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۴ء، ص ۵۸
۷۔ احمد ندیم قاسمی، میرے بھی صنم خانے، مشمولہ: قرۃ العین حیدر۔ ایک مطالعہ، مرتبہ: ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ایضاً ص ۱۱۳
۸۔ قرۃ العین حیدر، میرے بھی صنم خانے، ایضاً ص ۲۹۴
۹۔ قرۃ العین حیدر، آگ کا دریا، لاہور: قوسین، ۱۹۸۵ء، ص ۱۳
۱۰۔ ایضاً ص ۵۱
۱۱۔ ایضاً ص ۸۶
۱۲۔ ایضاً ص ۳۰
۱۳۔ ایضاً ص ۱۵۰
۱۴۔ ایضاً ص ۱۶۴
۱۵۔ ایضاً ص ۱۶۸
۱۶۔ ایضاً ص ۱۶۸
۱۷۔ ایضاً ص ۱۷۷
۱۸۔ ایضاً ص ۱۸۱
۱۹۔ ایضاً ص ۱۷۹
۲۰۔ ایضاً ص ۲۲۱
۲۱۔ ایضاً ص ۲۳۶
۲۲۔ ایضاً ص ۱۸۱
۲۳۔ ایضاً ص ۱۸۴۔۱۸۳
۲۴۔ ایضاً ص ۵۶۲
۲۵۔ ایضاً ص ۵۶۳

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.2 2021

۲۶۔ ایضاً ص ۵۶۵

۲۷۔ ایضاً ص ۵۷۴

۲۸۔ ایضاً ص ۵۷۵

ماٰخذ:

۱۔ احمد دہلوی، سید: فرہنگ آصفیہ لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۲ء

۲۔ ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر: قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ، قرۃ العین حیدر۔ ایک مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء

۳۔ عبد السلام، ڈاکٹر: قرۃ العین حیدر اور ناول کا فن، قرۃ العین حیدر اور ناول کا فن، دہلی: اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۳

۴۔ قرۃ العین حیدر: میرے بھی صنم خانے، قرۃ العین حیدر اور ناول کا فن، دہلی: اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۴

۵۔ قرۃ العین حیدر: آگ کا دریا، آگ کا دریا، لاہور: قوسین، ۱۹۸۵

۶۔ یسوئی، لوئس معلوف: المنجد، مترجم: مولانا سعد حسن خاں یوسفی، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۷۴ء